ہم باعزت رخصتی کیوں نہیں چاہتے؟

تحریر: سہیل احمد لون

عزت، شہرت اور دولت ایسی چیزیں ہیں جو ہر شخص کی خواہش ہوتی ہیں۔ دنیا میں ایسے خوش نصیبوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جن کو یہ تینوں چیزیں مل جانے کے بعد ان کا معیار گرنے نہ دیں۔ رسم دنیا تو یہی ہے کہ عوام الناس میں بنایا گیا مقام بلندی کی ایک خاص حد تک پہنچ کر زوال پزیر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جب انسان کا کوئی خاص کام اس کی وجہ شہرت بنتا ہے تو یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ شہرت کی بلندیوں پر پہنچ کر اس کام سے باعزت طور پر کنارہ کش ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ خاص طور پر جب کام کی نوعیت جسمانی ہو تو جسمانی طاقت عمر کے بڑھنے کے ساتھ کم ہوتی جاتی ہے اور انسان وہ پرفارمنس نہیں دے پاتا جو کبھی اُس کی وجہ شہرت بنی تھی۔ شہرہ آفاق باکسر محمد علی نے اپنی زندگی میں 61 بین الاقوامی فائٹس کیں جن میں 56 میں اسے کامیابی ہوئی اور پانچ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس میں آخری چار میں سے تین بار شکست ہوئی۔ وجہ اس کی 36 برس کی عمر میں رنگ میں اترنا تھا۔ بدقسمتی سے 36 برس کی عمر میں کی گئی فائٹس میں اسے کچھ ایسے پنچ بھی لگ گئے جس نے اسے مریض بنا دیا، ہو سکتا ہے اگر محمد علی ریٹائرمنٹ کے بعد دوبارہ 36 برس کی عمر میں رنگ میں اترنے کا فیصلہ نہ کرتے تو ان کو وہ بیماری لاحق نہ ہوتی۔ محمد علی کی طرح آٹھ مرتبہ ورلڈ اوپن جیتنے کا عالمی ریکارڈ رکھنے والے سکوائش چیمپئن جان شیر خان نے تقریباً بارہ برس سکوائش کی دنیا میں حکمرانی کا تاج اپنے سر سجائے رکھا مگر عمر کے ساتھ تجربہ تو آتا ہے لیکن فٹنس کا معیار گر جاتا ہے یہی کچھ ان کے ساتھ ہوا۔ 1986ء سے عالمی ٹورنامنٹ جیتنے کا سلسلہ شروع کرنے والے جان شیر خان بالآخر 1998ء میں برٹش اوپن کا فائنل پیٹر نکول سے تین صفر سے ہارے اس کے بعد وہ کبھی فائنل تک رسائی نہ کر سکے۔ 2001ء میں ریٹائرمنٹ کا اعلان کرنے کے بعد 2007ء میں دوبارہ بین الاقوامی مقابلوں میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا اور ریٹائرمنٹ کا فیصلہ واپس لینے کے بعد ان کو برٹش اوپن کے پہلے راؤنڈ میں ہی ایک غیر معروف برٹش کھلاڑی سے شکست ہو گئی۔ اپنی پرانی فارمیس کی تلاش میں ناکامی کے بعد بالآخر جان شیر خان نے 2011ء میں بین الاقوامی سکوائش کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ سکوائش لیجنڈ جہانگیر خان نے زمانہ عروج میں ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا اور اپنا آخری میچ بھی وہ ورلڈ اوپن کا فائنل کھیلے جس میں جان شیر خان سے شکست ہوئی۔ پاکستان میں کرکٹ مقبول ترین کھیل ہونے کی وجہ سے کوئی بھی کھلاڑی جو اچھا پرفارم کرتا ہے عوامی ہیرو کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر اس کھیل میں بھی بڑے بڑے ہیروز کے کیئریر کا اختتام لولی ووڈ کے چاکلیٹی ہیرو جیسا ہی ہوا۔ مائٹی خان کے نام سے مشہور ہونے والا ممتاز بلے باز ماجد خان ٹیسٹ کرکٹ میں چار ہزار رنز کے لیے کیریئر کے آخری دور میں خواری کا شکار نظر آیا، ایشین بریڈ مین ظہیر عباس کے ریفلیکس آخری دور میں اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ وہ فاسٹ گیند بازی کا سامنا کا سامنا دشواری سے کرتے۔ عمران خان کپتان بنائے گئے تو سب سے پہلے انہوں نے ماجد خان اور اس کے بعد ظہیر عباس سے جان بخشی کروائی۔ عمران خان نے ایسے کئی سفید ہاتھیوں سے جان چھڑائی جو ماضی کے ریکارڈز سے ٹیم کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ عمران خان نے 1987ء کے ورلڈ کپ کے بعد ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا اس وقت وہ عروج پر تھے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ

ورلڈ کپ کے سیمی فائنل میں آسٹریلیا کے خلاف انہوں نے 58 رنز بنانے کے ساتھ تین وکٹ بھی لیے۔اس کے علاوہ پاکستان کی طرف سے ورلڈ کپ میں سب سے زیادہ 17 وکٹیں لیں جو ٹورنامنٹ میں گریگ میکڈرموٹ کی 18 وکٹوں کے بعد سیکنڈ بیسٹ باؤلر تھے۔عوامی دباؤ اور اس وقت کے صدر مملکت کے کہنے پر ریٹائرمنٹ کا فیصلہ واپس لیا اور 1992ء میں قوم کو ورلڈ کپ کا تحفہ دے کر ہمیشہ کے لیے کرکٹ کو خیر باد کہہ گئے انہوں نے اپنی آخری گیند پر وکٹ لیکر ورلڈ کپ جتوایا اور انگلینڈ کے خلاف فائنل میں 72 رنز کے ساتھ ٹاپ سکورر بھی رہے اور یوں انہوں نے کرکٹ کو انتہائی آبرومندآنہ انداز میں خیر باد کہا لیکن کیا عمران خان عزت آبرو کے ساتھ گھر جانے کی روایت سیاست میں بھی برقرار رکھیں گے' یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اس پر غور کیا جاسکتا ہے؟عمران خان نے جب کرکٹ چھوڑی تو ایسی ٹیم چھوڑ کر گئے جس میں سات کھلاڑی کپتان بنے اور جب تک وہ کھلاڑی کھیلتے رہے پاکستانی ٹیم کا ایک نام اور وقار تھا۔مگر وہی کھلاڑی اپنا وقار اپنے کیریئر کے آخری دور میں فٹنس اور پرفارمنس کی وجہ سے برقرار نہ رکھ سکے۔وسیم اکرم،وقار یونس،عاقب جاوید،معین خان،انضمام الحق، رمیز راجہ اور عامر سہیل جیسے بہترین کھلاڑی اس شان سے رخصت نہ ہوسکے جس کے وہ حقدار تھے۔اسی طرح جاوید میانداد اور شعیب اختر کا انت بھی اتنا خوشگوار نہ رہا۔بوم بوم آفریدی جو تماشائیوں کے فیورٹ ترین کھلاڑی ہیں ان کے کیریئر کا اختتام بھی عبدالرزاق جیسا ہی نظر آ رہا ہے جسے الوداعی میچ کھیلنے کی تمنا لیے ہی کنارہ کشی کرنا پڑے گی۔گزشتہ دنوں پاکستانی کرکٹ ٹیم ٹیسٹ رینکنگ میں پہلی مرتبہ نمبرون پوزیشن پر آئی تھی۔مصباح الحق نے اس مقام تک لانے میں کافی فتوحات حاصل کیں تھیں جن میں آسٹریلیا کو وائٹ واش کرنا بھی تھا یہ کارنامہ کرنے والے عمران خان کے بعد وہ دوسرے پاکستانی کپتان ہیں۔ان کی اپنی کارکردگی بھی بہت اچھی رہی تھی اسی طرح ٹیم کے دوسرے سینئر بلے باز یونس خان تھے جن کی بیٹنگ مردہ وکٹوں پر بہت جاندار رہی تھی۔ان دونوں کے لیے باعزت رخصت ہونے کا نادر موقع تھا جو حسب روایت انہوں نے بھی ضائع کردیا۔اس کے بعد نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا میں بدترین شکست کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی کارکردگی پر بھی سوالیہ نشان لگنے شروع ہوگئے۔اس لحاظ سے انگلینڈ کے کھلاڑی بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں اینڈ یوسٹراؤس،اینڈریو فلنٹ ٹاف،جاناتھن ٹراوٹ،میٹ پرائر،گراہم سوان جیسے کئی نامود کھلاڑی ہیں جو عروج پر بھرا میلہ چھوڑ کر ریٹائیر ہوگئے اور بڑی شان سے رخصت کیے گئے۔ہمارے سیاسی رہنما بھی کرکٹرز کی طرح عزت سے بھرا میلہ چھوڑنے کی بجائے خواری کاٹ کر یا مرکر ہی کرسی یا عہدے کی جان چھوڑتے ہیں۔اگر سیاست میں فٹنس اور عمر کی اہمیت نہ ہوتی تو اس صدی کا عظیم لیڈر نیلسن منڈیلا بھی مرتے دم تک اقتدار سے چمٹا رہتا مگر ہمارے ہاں ذہنی وجسمانی تندرستی کا کسی عہدے سے کوئی تعلق نہیں جو اپنے پاؤں پر چل نہیں سکتا اسے گورنر بنادیا جاتا ہے جس نے عدالت میں دماغی بیماری کا سرٹیفیکٹ دیا ہو وہ صدر پاکستان بن جاتا ہے۔کوئٹہ سانحہ پر کمیشن کی رپورٹ آنے کے بعد چوہدری نثار کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں بچتا کہ وہ وزارت سے چپکے رہیں مگر انہوں نے شرمندہ ہونے کی بجائے جج کے خلاف ہی دھواں دار پریس کانفرنس کرڈالی،پی آئی اے کا لولا لنگڑا طیارہ فضائی حادثے کا شکار ہوگیا مگر کسی میں اتنی اخلاقی جرات نہیں کہ عہدے کو باعزت طریقے سے چھوڑ کر کسی اہل کو کام کرنے کا موقع دیں،ٹرین حادثات بھی قومی ایئر لائنز کی طرح اکثر ہوتے رہتے ہیں مگر خواجہ سعد رفیق کو ریل سے زیادہ جمہوریت کے ڈی ریل ہونے کا فکر رہتا ہے۔سربراہ حکومت براہ راست پانامہ لیکس میں ملوث پائے گئے،عزت سے

عہدے سے علیحدہ ہوکر شفاف تحقیقات کروانے کی بجائے قوم سے جھوٹا خطاب اور فلو آف دی ہاؤس پر بھی جھوٹ گری سے کام لے کر اقتدار کو طول دینے کی کوشش کی گئی۔ ماڈل ٹاؤن کیس میں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ملوث تھے وہ بھی آج تک اقتدار کا جھولا جھول رہے ہیں۔ لندن میں اربوں کی جائیداد بنانے والے کم از کم یہاں سے ایک اچھی چیز بھی سیکھ لیں کہ ہر چیز کی ایک حد اور مدت ہوتی ہے ہیڈ یوڈ کیمرون، زیک گولڈ سمتھ، سعیدہ وارثی، ماریہ ملر جیسے بہت سے سیاستدان ہیں جو محض اخلاقیات کی بنا پر استعفی دے کر عزت سے چلے گئے۔ ہمارے کھلاڑیوں اور سیاستدانوں کو بھی چاہئے کہ عہدے اور مقام کو ذاتی مفادات کے لیے نیلام نہ کیا کریں اور مناسب وقت پر عزت سے چلے جایا کریں۔ محمد علی نے ٹھیک کہا تھا کہ ''ورلڈ چیمپن بننا کوئی بات نہیں ورلڈ چیمپن رہنا بہت بڑی بات ہے''۔ اور باعزت رخصت ہونے والے ہمیشہ چیمپن ہی رہتے ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔ سرے

Sohailloun@gmail.com

21-12-2016